Al-Mīthāq ***(Research Journal of Islamic Theology)***
ISSN: 2791-0989 (P), 2791-0997 (E)
Volume 05, **Issue** 03, July - September 2026, **PP**: 49-62
Open Access at: https://almithaqjournal.org/

Article QR

دینی و عصری نظامِ تعلیم میں نظریاتی و فکری تصادم: ایک تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ

Ideological and Intellectual Conflict between Religious and Contemporary Educational Systems: A Research and Analytical Study

1. Hamadullah hamadleghari@gmail.com	*Ph. D Scholar, Department of Quran and Sunnah, University of Karachi.*
2. Dr. Zeenat Haroon dr.zeenat@uok.edu.pk	*Associate Professor, Department of Quran and Sunnah, University of Karachi.*

How to Cite:	Hamadullah and Dr. Zeenat Haroon. 2026: "Ideological and Intellectual Conflict between Religious and Contemporary Educational Systems: A Research and Analytical Study". Al-*Mīthāq (Research Journal of Islamic Theology)* 5 (03): 49-62.		
Article History:	**Received**: 07-07-2026	**Accepted**: 09-08-2026	**Published**: 20-08-2026

Copyright:	**©The Authors**
Licensing:	This work is licensed under a Creative Commons Attribution 4.0 International License.
Conflict of Interest:	Author(s) declared no conflict of interest.

Abstract & Indexing

Publisher

HIRA INSTITUTE
of Social Sciences Research & Development

دینی وعصری نظامِ تعلیم میں نظریاتی وفکری تصادم: ایک تحقیقی وتجزیاتی مطالعہ

Ideological and Intellectual Conflict between Religious and Contemporary Educational Systems: A Research and Analytical Study

1. **Hamadullah**
   Ph. D Scholar, Department of Quran and Sunnah, University of Karachi.
   hamadleghari@gmail.com

2. **Dr. Zeenat Haroon**
   Associate Professor, Department of Quran and Sunnah, University of Karachi.
   dr.zeenat@uok.edu.pk

Abstract

Education plays a fundamental role in shaping the intellectual, ideological, moral, and cultural identity of a society. In the contemporary context, the coexistence of religious and modern educational systems has generated a significant intellectual and ideological divide, particularly in Muslim societies. This study examines the foundations, historical factors, and contemporary manifestations of this intellectual and ideological conflict between religious and modern systems of education. It begins by analyzing the intellectual foundations of the religious educational system and the ideological basis of modern education, highlighting the differences in their conceptions of knowledge, human nature, life, values, and the objectives of education. The study further explores the historical factors that contributed to the emergence and consolidation of this divide and examines its implications for contemporary educational thought. Particular attention is given to the decline of ideological identity, intellectual duality and psychological fragmentation, differences in intellectual priorities within educational curricula, cultural disassociation in curriculum development, the ideological orientation of institutional and training environments, intellectual domination and academic subordination, and the resulting crisis of national identity and ideological cohesion. The study argues that the existing separation between religious and modern educational streams is not merely a difference in curricula or institutional structures; rather, it reflects deeper differences in intellectual frameworks, epistemological assumptions, and cultural orientations. The study concludes that addressing this divide requires a balanced educational approach that integrates authentic religious and cultural values with contemporary knowledge and intellectual developments. Such an approach may contribute to overcoming intellectual fragmentation, strengthening ideological identity, and promoting greater educational and national cohesion.

Keywords: *Education, Society, Intellectual, Cultural Identity, Ideology.*

تعارف

تعلیم کسی بھی معاشرے کی فکری، تہذیبی اور اخلاقی تشکیل میں بنیادی کردار ادا کرتی ہے۔ یہ محض معلومات کی منتقلی یا ہنر سکھانے کا ذریعہ نہیں بلکہ انسان کے تصورِ حیات، اقدار، ترجیحات، فکری رویوں اور اجتماعی شناخت کی تشکیل کا ایک مؤثر وسیلہ بھی

ہے۔ اسی لیے کسی بھی تعلیمی نظام کا جائزہ لیتے ہوئے اس کے نصاب اور تدریسی طریقۂ کار کے ساتھ ساتھ اس کی نظریاتی اور فکری بنیادوں کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔ اسلامی تہذیب میں تعلیم کا تصور وحی، توحید، اخلاق، علم اور عمل کے باہمی ربط پر قائم رہا ہے، جہاں تعلیم کا مقصد محض دنیاوی مہارتوں کا حصول نہیں بلکہ انسان کی علمی، اخلاقی، روحانی اور معاشرتی تربیت بھی ہے۔

برصغیر کے مسلم معاشرے میں جدید تعلیمی نظام کے فروغ کے ساتھ ایک ایسا تعلیمی تناظر وجود میں آیا جس میں دینی اور عصری تعلیم کے درمیان نمایاں فرق پیدا ہوتا گیا۔ ایک طرف دینی مدارس نے اسلامی علوم، قرآن و حدیث، فقہ اور دینی روایت کے تحفظ و فروغ کی ذمہ داری سنبھالی، جبکہ دوسری طرف عصری تعلیمی اداروں میں جدید علوم، سائنسی فکر اور مغربی علمی و تہذیبی تصورات کو بنیادی اہمیت حاصل ہوئی۔ اس تقسیم نے وقت کے ساتھ صرف تعلیمی اداروں کی سطح پر دو الگ دھارے پیدا نہیں کیے بلکہ معاشرے میں فکر، اقدار، ترجیحات اور شناخت کے حوالے سے بھی ایک واضح فاصلہ پیدا کیا۔ دینی اور عصری نظامِ تعلیم کے مابین یہ فاصلہ محض نصابی اختلاف کا مسئلہ نہیں بلکہ اس کے پس منظر میں مختلف نظریۂ علم، تصورِ انسان، تصورِ زندگی، اخلاقی اقدار اور تہذیبی ترجیحات کارفرما ہیں۔ چنانچہ جب تعلیمی نظام اپنے بنیادی فکری تصورات میں ایک دوسرے سے مختلف ہوں تو ان کے نتیجے میں تعلیم یافتہ افراد کی فکری تشکیل بھی مختلف سمتوں میں ہونے لگتی ہے۔ یہی صورتِ حال بعض اوقات فکری دوگانگی، ذہنی تقسیم، نظریاتی شناخت کے زوال اور اپنی تہذیبی اقدار سے بیگانگی کا سبب بنتی ہے۔

موجودہ دور میں یہ مسئلہ مزید اہمیت اختیار کر گیا ہے، کیونکہ عالمگیریت، جدید ذرائع ابلاغ، مغربی علمی و تہذیبی اثرات اور تعلیمی پالیسیوں کی تبدیلیوں نے نوجوان نسل کے فکری رجحانات کو گہرے طور پر متاثر کیا ہے۔ نصابِ تعلیم میں فکری ترجیحات، نصاب کی تالیف میں تہذیبی وابستگی، تعلیمی اداروں کے تربیتی ماحول اور علمی مرعوبیت جیسے عوامل نے اس مسئلے کو مزید پیچیدہ بنا دیا ہے۔ نتیجتاً ایک طرف دینی شناخت کے تحفظ کا سوال پیدا ہوتا ہے اور دوسری طرف جدید علمی و سائنسی تقاضوں سے ہم آہنگ ہونے کی ضرورت بھی اپنی جگہ موجود ہے۔ اس تناظر میں ضروری ہے کہ دینی اور عصری نظامِ تعلیم کو محض دو متوازی تعلیمی دھاروں کے طور پر نہ دیکھا جائے بلکہ ان کی نظریاتی اساس، فکری ترجیحات اور تاریخی تشکیل کا تقابلی و تجزیاتی جائزہ لیا جائے۔ زیرِ نظر مقالہ اسی ضرورت کے پیشِ نظر دینی و عصری نظامِ تعلیم کی فکری و نظریاتی بنیادوں کا جائزہ لیتا ہے اور ان عوامل کی نشان دہی کرتا ہے جنہوں نے دونوں نظاموں کے درمیان نظریاتی و فکری تصادم کو جنم دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ نظریاتی شناخت کے زوال، فکری دوگانگی، نصابی ترجیحات کے اختلاف، تہذیبی غیر وابستگی، ادارہ جاتی و تربیتی ماحول، فکری تسلط اور علمی مرعوبیت جیسے پہلوؤں کا تجزیہ کرتے ہوئے اس امر کو واضح کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ موجودہ تعلیمی صورتِ حال قومی شناخت اور نظریاتی یکجہتی کے بحران کو کس طرح متاثر کر رہی ہے۔

دینی نظامِ تعلیم کی فکری بنیادیں

اسلامی نظامِ تعلیم کی بنیاد وحیِ الٰہی پر ہے، جو انسانی زندگی کے ہر گوشے کے لیے رہنمائی فراہم کرتی ہے۔ تعلیم محض دنیاوی ترقی یا ہنر کا ذریعہ نہیں بلکہ ایک روحانی، اخلاقی، اور عبادتی عمل ہے، جو انسان کو عبدیت، خلافت اور تزکیۂ نفس کے مقامات تک پہنچاتا ہے۔ دینی نظامِ تعلیم کے نظریاتی سرچشمے قرآن و سنت، سیرت نبوی ﷺ اور امت مسلمہ کی علمی روایت سے پھوٹتے ہیں، جو اسے عصرِ حاضر کے سیکولر اور مادہ پرستانہ نظامِ تعلیم سے جدا کرتے ہیں۔

الف: وحی اور سنت: علم کا مقدس منبع

اسلامی تعلیمات میں علم کا اصل منبع وحی ہے اور نبی اکرم ﷺ کی سیرت تعلیم و تربیت کا عملی نمونہ ہے۔ قرآن کریم کی

سب سے پہلی نازل شدہ آیت میں ارشاد ہے:

"اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ "[1]

پڑھیے اپنے رب کے نام سے جس نے پیدا کیا۔

یہی وہ آیت ہے جو اسلامی تعلیم کی بنیاد بن گئی۔ تعلیم کا آغاز اللہ کے نام سے ہوا، جس سے یہ حقیقت واضح ہوئی کہ علم ایک مقدس عمل ہے، جو رب سے تعلق کی بنیاد پر حاصل کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"طلب العلم فريضة على كل مسلم"[2]

علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ علم کا حصول صرف انفرادی ترقی نہیں بلکہ شرعی فریضہ ہے، جو اللہ تعالیٰ کے قرب اور بندگی کا ذریعہ بنتا ہے۔

ب: علم و عمل کی وحدت

دینی نظام تعلیم میں علم اور عمل کو ایک دوسرے سے جدا نہیں کیا جاتا۔ قرآن میں ایمان کے ساتھ عمل صالح کو بارہا جوڑا گیا ہے، جیسے فرمایا:

"إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ" [3]

بے شک وہ لوگ جو ایمان لائے اور نیک اعمال کئے۔

اس سے یہ پیغام ملتا ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد عملی اصلاح اور کردار سازی ہے، نہ کہ صرف دماغی مشق۔ نبی کریم ﷺ کی یہ دعاء اس اصول کو مزید واضح کرتی ہے:

"اللهم إني أعوذ بك من علم لا ينفع"[4]

یا اللہ! میں اس علم سے تیری پناہ مانگتا ہوں جو نفع نہ دے۔

یہی وجہ ہے کہ دینی مدارس کے نصاب میں فقہ، حدیث اور قرآن کے ساتھ ساتھ اخلاقیات، آداب، اور تزکیہ نفس پر بھی زور دیا جاتا ہے۔

ج: تزکیہ نفس: تعلیم کا روحانی ہدف

اسلامی تعلیم صرف عقل کی تربیت نہیں بلکہ دل و روح کی پاکیزگی کا بھی ذریعہ ہے۔ نبی اکرم ﷺ کی بعثت کے مقاصد میں قرآن نے ترتیب وار ذکر کیا:

"يُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ" [5]

ان کو پاک کرتے ہیں اور انہیں کتاب اور حکمت سکھاتے ہیں۔

یعنی سب سے پہلے تزکیہ، پھر تعلیم۔ یہ ترتیب دینی تعلیم کے اس بنیادی تصور کو واضح کرتی ہے کہ علم کے ساتھ تزکیہ بھی لازم ہے تاکہ علم نافع بن سکے اور انسان کی شخصیت متوازن اور پاکیزہ ہو۔

د: امت کی علمی روایت

اسلامی تہذیب میں علم کو ہمیشہ قدر و منزلت کی نگاہ سے دیکھا گیا۔ عباسی دور کے مدارس سے لے کر دکن، بخارا، بغداد،

قاہرہ، اور برصغیر کے علمی مراکز تک ایک طویل روایت موجود ہے، جہاں دینی و دنیاوی علوم کو یکجا پڑھایا جاتا تھا۔ امام غزالی، ابن رشد، ابن سینا اور فارابی جیسے علماء نے علم کو نہ صرف وحی بلکہ عقل، فلسفہ، اور اخلاق کے ساتھ مربوط کیا۔ امام غزالیؒ نے فرمایا:

"العلم بلا عمل جنون، والعمل بلا علم لا يكون"[6]

علم بغیر عمل دیوانگی ہے اور عمل بغیر علم ممکن نہیں۔

اسی وجہ سے دینی نظام تعلیم میں ہر علم کو روحانی بنیادوں پر سکھایا جاتا ہے تاکہ علم شخصیت سازی کا ذریعہ بنے، نہ کہ صرف معاشی وسیلہ۔

ھ: تعلیم کا مقصد: عبدیت اور خلافت

اسلام میں تعلیم کا مقصد انسان کو اللہ کا بندہ (عبد) اور زمین پر اس کا خلیفہ (خلیفۃ اللہ) بنانا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً" [7]

بیشک میں زمین میں ایک خلیفہ بنانے جا رہا ہوں۔

یہ تصور تعلیم کو ایک بامقصد عمل بناتا ہے، جو محض جاب مارکیٹ یا دنیاوی ترقی کے لیے نہیں، بلکہ انسان کی روحانی، اخلاقی، اور تمدنی ترقی کے لیے ہے۔ دینی نظام تعلیم اس تصور کے مطابق انسان کو ایسا فکری و عملی سانچہ دیتا ہے جس میں عبدیت، عدل، دیانت، امانت اور تقویٰ کے اصول شامل ہوں۔ دینی نظام تعلیم کی فکری بنیادیں وحی، سنت، روحانی تربیت، امت کی علمی روایت، اور عبدیت و خلافت جیسے تصورات پر قائم ہیں۔ یہ ایک جامع، بامقصد اور ہمہ جہت نظام ہے جس کا ہدف صرف معلومات دینا نہیں بلکہ شخصیت سازی، اصلاحِ باطن اور رضائے الٰہی کا حصول ہے۔ یہی بنیادیں اسے عصری سیکولر نظام تعلیم سے جدا کرتی ہیں اور اسی فکری اختلاف سے نظریاتی تصادم جنم لیتا ہے۔

عصری نظام تعلیم کی نظریاتی اساس

موجودہ عصری نظام تعلیم، جو برصغیر میں نوآبادیاتی دور کے ساتھ جڑا ہوا ہے، اپنی فکری بنیاد میں مذہب سے لاتعلق، سیکولر اور مادہ پرستانہ نظریات پر قائم ہے۔ اس نظام نے علم کے مقصد، طریقہ کار اور نتائج کو دینی اساس سے جدا کرتے ہوئے ایک ایسی فضا پیدا کی ہے، جہاں تعلیم کا محور صرف مادی ترقی، فردی مفاد اور دنیاوی کامیابی بن چکا ہے۔ اس نظام کی تشکیل میں مغربی فلسفہ، استعماریت، اور جدیدیت کے تصورات مرکزی کردار ادا کرتے ہیں۔

الف: سیکولر فکر کی بنیاد

عصری نظام تعلیم کی بنیاد سیکولر تصورِ علم پر رکھی گئی ہے، جس میں مذہب کو نجی معاملہ سمجھا جاتا ہے اور تعلیمی اداروں سے خارج کر دیا جاتا ہے۔ مغرب میں "چرچ اور ریاست" کی علیحدگی کے فلسفے نے تعلیم کو "دینی غیر جانبدار" بنانے کا دعویٰ کیا، لیکن عملی طور پر یہ نظام ایک مخصوص فکری اور تہذیبی ایجنڈے کا حامل بن گیا۔[8] اسی فکر کے زیر اثر جب برصغیر میں انگریزوں نے تعلیمی نظام متعارف کرایا تو انہوں نے "میکالے منٹس" کے ذریعے برملا اعلان کیا کہ ان کا مقصد ایسے افراد تیار کرنا ہے جو "رنگ اور خون کے لحاظ سے تو ہندوستانی ہوں، مگر ذہن و دماغ سے انگریز" ہوں۔[9]

ب: مادی کامیابی کا محور

عصری نظام تعلیم میں کامیابی کا تصور روحانی، اخلاقی، یا سماجی خدمت سے نہیں بلکہ دنیاوی معیارِ زندگی، معاشی ترقی اور

انفرادی برتری سے وابستہ ہو چکا ہے۔ تعلیم کا مقصد نوکری کا حصول، تنخواہ کا اضافہ اور مارکیٹ میں بہتر مقام حاصل کرنا بن چکا ہے۔[10] یہ تصور اسلام کے تعلیماتی نظریے سے متصادم ہے، جہاں علم کا مقصد رضائے الٰہی، تزکیہ نفس اور معاشرتی بھلائی ہوتا ہے۔

ج: عقل پرستی اور سائنسی مادہ پرستی

عصری نظامِ تعلیم میں "علم" صرف وہی تسلیم کیا جاتا ہے جو تجربہ، مشاہدہ اور منطق کی بنیاد پر ثابت ہو سکے۔ اس سے وہ تمام علوم جو وحی، وجدان یا روحانی بنیاد رکھتے ہیں، غیر علمی قرار پاتے ہیں۔ یعنی قرآن، حدیث، روحانیات، اخلاقیات یا ماورائے طبیعیات پر مبنی علوم کو غیر سائنسی اور غیر علمی کہہ کر نظر انداز کر دیا جاتا ہے، جو دینی نظامِ تعلیم کی بنیادوں پر براہِ راست حملہ ہے۔

د: تہذیبی غیر وابستگی کا دعویٰ

عصری نظامِ تعلیم بظاہر "غیر تہذیبی" اور "غیر نظریاتی" بننے کا دعویٰ کرتا ہے، لیکن حقیقت یہ ہے کہ اس کے اندر مغربی اقدار، طرزِ زندگی اور عالمی نظامِ سرمایہ داری کا واضح اثر پایا جاتا ہے۔ طلبہ کو غیر محسوس انداز میں مغربی فکری سانچوں میں ڈھالا جاتا ہے۔ زبان، تاریخ، ادب اور سوشل سائنسز کے مضامین میں اسلامی شناخت اور تہذیبی شعور کی کمی نمایاں ہوتی ہے۔[11]

ھ: اسلامی علوم کی حاشیہ نشینی

عصری نظامِ تعلیم میں قرآن، حدیث، فقہ اور سیرت جیسے مضامین کو لازمی یا مرکزی حیثیت نہیں دی جاتی، بلکہ اکثر اوقات انہیں اختیاری یا غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ طرزِ عمل نئی نسل کو اپنے دینی و فکری ورثے سے کاٹ کر ایک بے بنیاد فکری خلا میں دھکیل دیتا ہے۔[12] عصری نظامِ تعلیم کی فکری اساس ایک ایسے تصورِ علم پر قائم ہے جو وحی، دین اور روحانی اقدار سے کٹا ہوا ہے۔ اس نظام میں تعلیم کا مقصد مادی ترقی، سائنسی دریافت اور انفرادی مفاد ہے، جبکہ دینی نظامِ تعلیم کے اہداف اس سے یکسر مختلف ہیں۔ یہی فکری تفریق دینی اور عصری نظامِ تعلیم کے درمیان تصادم کی بنیاد بناتی ہے، جو آج کے تعلیمی بحران کا اصل سبب ہے۔

نظریاتی تصادم کے تاریخی عوامل

دینی وعصری نظامِ تعلیم کے مابین جو فکری و نظریاتی تصادم آج نمایاں نظر آتا ہے، اس کی جڑیں محض فکری اختلافات تک محدود نہیں، بلکہ اس کا ایک گہرا تاریخی پس منظر بھی ہے۔ یہ تصادم دراصل مسلم معاشروں پر نوآبادیاتی یلغار، فکری استعماری منصوبہ بندی اور مغربی نظامِ تعلیم کے ذریعے تہذیبی تبدیلی کی ایک طویل جدوجہد کا نتیجہ ہے، جس نے اسلامی معاشروں کی تعلیمی بنیادوں کو متزلزل کر دیا۔

الف: برصغیر میں استعماری تعلیمی پالیسیوں کا نفاذ

برصغیر میں انگریزوں کی آمد کے بعد تعلیم کے نظام میں بنیادی تبدیلیاں لائی گئیں۔ 1835ء میں لارڈ میکالے کی مشہور "منٹ" کے ذریعے اسلامی نظامِ تعلیم کو پس پشت ڈال کر انگریزی نظام کو غالب کیا گیا۔ میکالے نے صاف کہا: "ہم ایسے افراد پیدا کرنا چاہتے ہیں جو رنگ و نسل سے تو ہندوستانی ہوں لیکن ذہن و فکر سے مکمل انگریز ہوں۔" اس پالیسی کے تحت دینی مدارس کو بے وقعت کرنے، عربی و فارسی زبان کی اہمیت کم کرنے اور اسلامی علوم کو نصاب سے نکالنے کا عمل شروع ہوا۔ یہ اقدام محض لسانی یا انتظامی اصلاحات نہیں تھے بلکہ ایک گہری تہذیبی اور نظریاتی کشمکش کا مظہر تھے۔

ب: علمی مراکز کی تباہی اور اعتماد کا بحران

برطانوی سامراج نے شعوری طور پر اسلامی علمی مراکز کو نشانہ بنایا۔ دہلی، لکھنؤ، فرنگی محل اور دیگر علاقوں میں قائم

مدارس، کتب خانے اور دارالعلوم تباہ کیے گئے۔ اس کے نتیجے میں مسلمان علمی، سیاسی اور فکری طور پر محرومی کا شکار ہو گئے۔[13] اس صورتحال میں دینی طبقات نے اپنے تعلیمی ادارے بچانے کے لیے دفاعی حکمت عملی اختیار کی۔ انہوں نے دینی تعلیم کو محفوظ رکھنے کے لیے عصری علوم سے کنارہ کشی اختیار کی، جس کا اثر آج تک دیکھا جا سکتا ہے۔

ج: دو متوازی نظاموں کا قیام

استعماری دور کے بعد برصغیر میں دو الگ الگ تعلیمی نظام وجود میں آئے:

- **دینی نظام تعلیم:** جس نے قرآن، حدیث، فقہ اور کلاسیکی علوم کو اپنی اساس بنایا۔
- **عصری نظام تعلیم:** جو انگریزی زبان، سائنسی علوم اور مغربی تہذیب و فکر پر مبنی تھا۔[14]

یہ دونوں نظام نظریاتی، مقصدی اور ادارتی طور پر ایک دوسرے سے جدا اور بعض اوقات متصادم ہو گئے، اس تقسیم نے قوم کے ذہن کو دو رخوں میں تقسیم کر دیا، جس کا اثر آج بھی واضح ہے۔

د: نظریاتی شناخت کا زوال

عصری نظام تعلیم کے ذریعے نئی نسل کو اپنی تہذیبی، تاریخی اور دینی شناخت سے کاٹ دیا گیا۔ تاریخ کو مسخ، دینی شخصیات کو نظر انداز اور اسلامی اقدار کی جگہ مغربی اقدار کو نمایاں کیا گیا۔ اس فکری یلغار کا مقصد ایک ایسی قوم تیار کرنا تھا جو مغرب کی وفادار، اپنی تاریخ سے ناآشنا ہو اور دین کو محض عبادات تک محدود سمجھے۔ اس منصوبہ بندی نے دینی نظام تعلیم کو دفاعی حالت میں ڈال دیا۔

ھ: علمی ربط کا ٹوٹ جانا

قبل از استعمار اسلامی تعلیمی نظام میں دینی و دنیاوی علوم کا ربط قائم تھا۔ علماء ایک ہی وقت میں دینی علوم، ریاضی، فلسفہ، طب اور فلکیات میں مہارت رکھتے تھے۔ مگر استعمار نے یہ ربط توڑ دیا اور دونوں علوم کو ایک دوسرے کا متضاد بنا کر پیش کیا۔[15] اس سے مسلم ذہن میں ایک داخلی تصادم پیدا ہوا کہ کیا دین کی پیروی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟ یہ وہ فکری بحران تھا جس نے مسلمان نوجوانوں کو یا تو دین سے بیگانہ کیا یا دنیا سے کنارہ کش بنا دیا۔

دینی اور عصری نظام تعلیم کے مابین نظریاتی تصادم کی بنیاد محض نظریاتی یا فکری اختلاف نہیں، بلکہ ایک گہری تاریخی کشمکش ہے جس میں استعماری پالیسیوں، تہذیبی یلغار اور تعلیمی پالیسیوں نے اہم کردار ادا کیا۔ انگریزوں کی تعلیم دشمنی، علمی اداروں کی تباہی، نصاب کی تبدیلی اور فکری یلغار نے اس تصادم کو پیدا کیا، جو آج تک ہمارے تعلیمی اور تہذیبی ڈھانچے کو متاثر کر رہا ہے۔

فکری دوگانگی اور ذہنی تقسیم

موجودہ مسلم معاشرے میں تعلیم یافتہ طبقہ فکری انتشار، نظریاتی اُلجھاؤ اور تہذیبی عدم توازن کا شکار ہے۔ اس بحران کی جڑ فکری دوگانگی (Intellectual Dualism) اور ذہنی تقسیم (Cognitive Dissonance) میں پیوست ہے، جس کی بنیاد دینی اور عصری نظام تعلیم کے درمیان قائم واضح خلیج ہے۔ یہ صورتحال نہ صرف انفرادی شناخت کو متزلزل کرتی ہے، بلکہ قومی سطح پر فکری بانجھ پن، تہذیبی انتشار اور فیصلہ سازی کی کمزوری کو جنم دیتی ہے۔

الف: دینی و دنیاوی علوم کی تفریق

دینی و عصری نظام تعلیم کے درمیان فرق ایک "علمی تقسیم" (Divide of Knowledge) پیدا کر چکا ہے، جس میں

طلبہ کو یا تو محض دینی علوم یا محض دنیاوی علوم پڑھنے کو ملتے ہیں۔ اس سے ایک ایسا طبقہ پیدا ہوا جو یا تو دنیا سے کٹا ہوا ہے یا دین سے بے خبر۔[16] نتیجتاً مدرسہ کا طالب علم عصری دنیا کے تقاضوں سے ناواقف ہوتا ہے، جبکہ یونیورسٹی کا فارغ التحصیل فرد دینی اساسات سے بے بہرہ ہوتا ہے۔ یہ دو انتہائیں امت میں فکری ہم آہنگی کے بجائے تضاد پیدا کرتی ہیں۔

ب: شناخت کا بحران

جب فرد کو تعلیم کے ذریعے واضح نظریاتی اساس نہ دی جائے اور اس کے ذہن میں دو مختلف و متضاد نظام علوم ڈال دیئے جائیں، تو وہ شناختی بحران کا شکار ہو جاتا ہے۔ مسلمان نوجوان سوال کرتا ہے: "کیا دین جدید ترقی سے متصادم ہے؟ کیا دینداری معاشی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے؟ کیا جدید سائنسی علم دینی تصور علم کے خلاف ہے؟" یہ سوالات اس وقت جنم لیتے ہیں جب طالب علم کی فکری تربیت متوازن نہ ہو اور اس کے سامنے دین و دنیا کو ایک دوسرے کا متضاد بنا کر پیش کیا جائے۔

ج: فکر و عمل میں تضاد

فکری دوگانگی کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ فرد کے قول و فعل، عقیدہ و عمل اور علم و رویے میں تضاد پیدا ہو جاتا ہے۔ وہ نماز بھی پڑھتا ہے اور سودی کاروبار بھی کرتا ہے، اسلامی اقدار کی بات بھی کرتا ہے اور مغربی طرزِ زندگی کو بھی اپناتا ہے۔ یہ وہ "تضادِ شخصیت (Split Personality)" ہے جسے ماہرینِ تعلیم نے اسلامی معاشرے کے لیے ایک سنگین خطرہ قرار دیا ہے۔[17] علامہ محمد اقبالؒ نے اسی صورتحال کو بیان کرتے ہوئے فرمایا تھا:

جلال پادشاہی ہو کہ جمہوری تماشا ہو   جدا ہو دیں سیاست سے تو رہ جاتی چنگیزی

یعنی جب دین کو عملی زندگی سے کاٹ دیا جائے، تو انسان صرف جبر، لالچ اور مفاد کی بنیاد پر فیصلے کرتا ہے۔

د: دینی طبقات میں محدودیت اور عصری طبقات میں روحانیت کا فقدان

فکری دوگانگی کا ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ دینی طبقہ جہاں جدید سائنسی، معاشی اور فنی مہارتوں سے محروم ہے، وہیں عصری تعلیم یافتہ طبقہ روحانیت، اخلاق اور دینی بصیرت سے خالی ہے۔[18] اس تقسیم نے امت کو دو متضاد گروہوں میں بانٹ دیا ہے:

- ایک گروہ جو دنیا کو فتنے کا منبع سمجھ کر ترک دنیا پر عمل پیرا ہے۔
- دوسرا گروہ جو دین کو ذاتی معاملہ اور ترقی کی راہ میں رکاوٹ سمجھتا ہے۔

یہ تضاد اجتماعی ترقی، فکری اتحاد اور تہذیبی تسلسل کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہے۔ فکری دوگانگی اور ذہنی تقسیم مسلم معاشرے کی سب سے بڑی فکری بیماری بن چکی ہے۔ اس کی بنیاد دو مختلف نظام تعلیم، متضاد فکر اور یکجہتی سے خالی تربیت میں ہے۔ جب تک علم، تربیت اور تہذیب کو ہم آہنگ نہ کیا جائے، اس وقت تک نہ فرد کی شخصیت مکمل بن سکتی ہے اور نہ امت ایک نظریاتی وحدت حاصل کر سکتی ہے۔

نصاب تعلیم میں فکری ترجیحات کا فرق

دینی اور عصری نظام تعلیم کے درمیان فکری تصادم کا ایک بنیادی سبب ان کے نصابِ تعلیم کی ساخت، مواد اور ترجیحات کا شدید فرق ہے۔ ہر نظام نے علم کے انتخاب، ترتیب اور تدریس میں اپنی مخصوص فکری بنیادوں کو مدنظر رکھا ہے۔ اس سے نہ صرف فکری دوگانگی کو فروغ ملا ہے بلکہ طالب علم کی نظریاتی ساخت بھی متاثر ہوئی ہے۔

الف: دینی نظام میں علم کا مقصد

دینی نصاب کی بنیاد اسلامی تصورِ علم پر ہے، جہاں علم کا مقصد اللہ کی معرفت، بندگی اور اخلاقی و روحانی تربیت ہے۔ قرآن و سنت کو علم کی اصل بنیاد سمجھا جاتا ہے اور ہر علم کو اس میزان پر پرکھا جاتا ہے کہ وہ انسان کو فلاح، عدل اور تزکیہ کی طرف لے جا رہا ہے یا نہیں۔[19] دینی نصاب میں قرآن، حدیث، فقہ، اصول، منطق، عقائد اور عربی زبان جیسے مضامین کو مرکزیت حاصل ہے۔ ان کا تعلق براہِ راست انسان کے باطن، کردار اور اللہ سے تعلق سے ہے۔

ب: عصری نظام میں علم کی مادی ترجیحات

عصری تعلیمی نظام میں علم کا مقصد مادی ترقی، سائنسی تحقیق اور دنیاوی کامیابی کو سمجھا جاتا ہے۔ نصاب اس طرح ترتیب دیا جاتا ہے کہ طالب علم کو "مارکیٹ" کی ضروریات کے مطابق ڈھالا جا سکے۔[20] ریاضی، سائنس، بزنس، آئی ٹی، اکنامکس اور دیگر سائنسی مضامین کو مرکزیت حاصل ہے، جبکہ اخلاقیات، مذہب اور روحانی پہلو کو یا تو بالکل نظر انداز کیا جاتا ہے یا انہیں ایک اختیاری اور کم اہمیت والا جزو بنا دیا جاتا ہے۔

ج: تاریخ، سماجیات، اور زبانوں میں نظریاتی فرق

تاریخ، سوشیالوجی اور لٹریچر جیسے مضامین میں دونوں نظاموں کی ترجیحات بالکل مختلف ہیں۔ دینی نظامِ تعلیم میں تاریخ کو اسلامی تناظر میں، شخصیات کو ایمان، تقویٰ اور خدمت کے زاویے سے پڑھایا جاتا ہے، جبکہ عصری نصاب میں ان حوالوں کو نظر انداز کر کے محض سیاسی، معاشی یا سوشیالوجیکل زاویے سے پڑھایا جاتا ہے۔[21] اسی طرح زبانوں میں دینی نصاب عربی اور اردو پر توجہ دیتا ہے، جبکہ عصری نظام انگریزی اور دیگر یورپی زبانوں پر زور دیتا ہے۔ یہ فرق بھی فکری کشمکش کو بڑھا دیتا ہے۔

د: نصاب کی تالیف میں تہذیبی غیر وابستگی

عصری تعلیمی نصاب کی تالیف میں عموماً مغربی ماڈلز اور تحقیق کو بنیاد بنایا جاتا ہے۔ نصاب میں مسلمانوں کی علمی خدمات، شخصیات اور افکار کا تذکرہ نہ ہونے کے برابر ہے۔ جبکہ دینی نصاب میں مسلم تاریخ، علما، صوفیا اور محققین کو ہیرو اور مثالی شخصیات کے طور پر پیش کیا جاتا ہے۔ یہ غیر متوازن طرزِ نصاب طلبہ میں اپنی تہذیب سے بیگانگی اور دوسروں کی ثقافت سے مرعوبیت پیدا کرتا ہے۔

دینی اور عصری نظامِ تعلیم کے نصاب میں موجود فکری ترجیحات کا فرق، طلبہ کو دو الگ الگ فکری دھاروں میں تقسیم کر دیتا ہے۔ ایک جانب روحانی، اخلاقی اور ایمانی تربیت ہے، دوسری جانب مادی، عقلی اور دنیاوی ترقی۔ جب تک نصاب میں توازن، ہم آہنگی اور مقصدی وحدت قائم نہیں ہوتی، اس وقت تک نظریاتی و فکری تصادم کا خاتمہ ممکن نہیں۔

ادارتی و تربیتی ماحول کی فکری سمت

کسی بھی تعلیمی نظام میں ادارہ جاتی ماحول (institutional culture) اور تربیتی نظام کی سمت، طلبہ کی شخصیت سازی، فکری تشکیل اور اقداری بنیادوں پر گہرے اثرات مرتب کرتی ہے۔ دینی و عصری نظامِ تعلیم میں یہ ادارہ جاتی ماحول اپنی فکری ترجیحات اور تہذیبی جھکاؤ کی وجہ سے نہ صرف ایک دوسرے سے جدا ہے بلکہ بعض اوقات ایک دوسرے سے متصادم بھی ہے۔

الف: دینی اداروں میں روحانیت و اخلاقیات کا غلبہ

دینی مدارس اور جامعات کا ماحول عمومی طور پر سادہ، مذہبی اور روحانی نوعیت کا ہوتا ہے۔ یہاں اساتذہ اور طلبہ کے درمیان

رشتہ استاد و شاگرد کے روایتی احترام پر قائم ہوتا ہے۔ تربیت کا محور اخلاق، تقویٰ، تواضع اور شریعت کی پابندی ہے۔[22] مدارس میں روزمرہ کی سرگرمیوں میں نماز باجماعت، قرآن فہمی اور اجتماعی تربیتی مجالس شامل ہوتی ہیں۔ اس ماحول میں طلبہ کی شخصیت ایک خاص مذہبی قالب میں ڈھلتی ہے، مگر اسی کے ساتھ ساتھ دنیاوی ضروریات، معاشرتی ترقی اور تنقیدی فکر کے مواقع محدود ہو جاتے ہیں۔

ب: عصری اداروں میں مہارت و مسابقت کا غلبہ

اس کے برعکس، کالجز، یونیورسٹیز اور اسکولز میں ادارہ جاتی کلچر مسابقت، فردیت (individualism) اور مہارت کے گرد گھومتا ہے۔ تعلیم کو نوکری، ترقی اور سوشل موبلٹی کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ تربیت میں اخلاقی اقدار یا روحانیت کے بجائے self-confidence، communication skills، اور achievement پر زور ہوتا ہے۔[23] یہ ماحول طلبہ میں عملی، سائنسی اور تجزیاتی سوچ پیدا کرتا ہے لیکن ان کی روحانی اور اخلاقی بنیادیں اکثر کمزور رہ جاتی ہیں۔ دین، عقیدہ یا تہذیبی وفاداری کو کم یا غیر ضروری سمجھا جاتا ہے۔

ج: رول ماڈلز کا تضاد

دینی نظام تعلیم میں مثالی شخصیات کے طور پر علماء، صوفیا اور اسلاف کو پیش کیا جاتا ہے، جبکہ عصری نظام میں کامیاب بزنس مین، سیاست دان، سائنس دان یا مغربی شخصیات کو رول ماڈل کے طور پر دکھایا جاتا ہے۔ اس تضاد کا اثر طالب علم کی شخصیت پر بھی ہوتا ہے، جو ایک واضح فکری سمت اختیار نہیں کر پاتا۔ ایک طبقہ ماضی میں گم ہو جاتا ہے اور دوسرا طبقہ حال میں جذب ہو کر اپنی جڑوں کو بھول جاتا ہے۔

د: تربیتی مقاصد میں دورخی

دینی ادارے تربیت کو مذہبی، روحانی اور اجتماعی فلاح کے تناظر میں دیکھتے ہیں، جبکہ عصری ادارے اسے فرد کی معاشی ترقی، خود اعتمادی اور سماجی مقام کے تناظر میں لیتے ہیں۔[24] اس دورخی کے باعث دونوں نظام ایک متوازن، ہم آہنگ اور ہمہ جہت شخصیت کی تیاری میں ناکام نظر آتے ہیں۔ دینی و عصری اداروں کے تربیتی اور ادارتی ماحول کی فکری سمت کا اختلاف، طلبہ کی شخصیت میں نظریاتی کشمکش اور فکری تضاد کو جنم دیتا ہے۔ ایک نظام فرد کو روحانی اور اخلاقی طور پر تیار کرتا ہے مگر دنیاوی مہارتوں سے دور رکھتا ہے، جبکہ دوسرا نظام عملی زندگی کے لیے تو تیار کرتا ہے، مگر روحانی و تہذیبی بنیادوں سے محروم چھوڑ دیتا ہے۔ اس خلا کو پر کیے بغیر متوازن اور مربوط قوم تشکیل نہیں دی جا سکتی۔

فکری تسلط اور علمی مرعوبیت

امت مسلمہ کے تعلیمی بحران کی ایک بڑی جڑ فکری تسلط (Intellectual Domination) اور علمی مرعوبیت (Intellectual Inferiority Complex) ہے۔ یہ تسلط محض عسکری یا سیاسی نہیں، بلکہ تہذیبی و فکری نوعیت کا ہے، جس نے مسلم معاشروں کی تعلیمی ترجیحات، نصاب سازی، تحقیق اور علمی سمت کو شدید متاثر کیا ہے۔ موجودہ دینی و عصری نظام تعلیم اس فکری یلغار کا براہ راست شکار ہیں۔

الف: نو آبادیاتی ورثہ اور علمی محکومی

استعمار کے دور میں برصغیر سمیت کئی مسلم علاقوں میں مغربی نظام تعلیم کو طاقت، حکومت اور ترقی کا ذریعہ قرار دے کر نافذ کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں مقامی دینی اداروں اور اسلامی علمی روایت کو قصداً کمزور کیا گیا یا فرسودہ باور کرایا گیا۔[25] لارڈ میکالے کی مشہور "منٹس" اسی ذہنیت کی غمازی کرتی ہے، جس میں کہا گیا کہ ہمیں ایسا طبقہ تیار کرنا ہے جو رنگ و نسل میں ہندوستانی ہو مگر سوچ اور

کردار میں انگریز ہو۔[26] یہ علمی و فکری محکومی آج بھی جاری ہے، جب مسلم دنیا کے تعلیمی ادارے مغرب کی فکری لکیروں پر چلنا فخر سمجھتے ہیں اور اسلامی فکر یا مقامی دانش کو کمتر جانتے ہیں۔

ب: تحقیق اور تھیوری میں مغربی مرجعیت

عصری تعلیمی اداروں میں سوشل سائنسز، اکنامکس، فلسفہ، تعلیم اور تاریخ جیسے شعبوں میں مغربی مفکرین، نظریات اور اصطلاحات کو حتمی و معیاری حیثیت دی جاتی ہے۔ اسلامی علمی ذخیرہ یا نظریہ علم کو یا تو شامل ہی نہیں کیا جاتا یا وہ ایک "مطالعہ مذاہب" کے تحت پڑھایا جاتا ہے۔[27] اس سے ایک ایسا تعلیمی مزاج پیدا ہوا ہے جو اسلام کو جدید فکر کے تابع سمجھتا ہے، نہ کہ اس کا نکتہ آغاز۔

ج: علمی مرعوبیت کا نتیجہ: فکری غلامی

علمی مرعوبیت کی وجہ سے مسلمان طالب علم یا تو اپنے ماضی سے کٹ جاتے ہیں یا پھر مغربی فکر کو مطلق سچائی سمجھ کر اختیار کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم دنیا میں تعلیمی اصلاحات بھی زیادہ تر مغربی ماڈلز کی نقل پر مبنی ہوتی ہیں، جن میں اسلامی تہذیبی مقاصد یا ایمانی اساسات کا کوئی نمایاں کردار نہیں ہوتا۔ یہ "تقلیدی رویہ" (imitative attitude) ایک ایسی فکری غلامی کو جنم دیتا ہے جو امت کے علمی استقلال کے لیے خطرہ بن چکی ہے۔

د: دینی مدارس میں ردعمل کے طور پر انحصاری مزاج

اس فکری تسلط کا ردعمل دینی مدارس میں ایک سخت گیر، دفاعی اور غیر تنقیدی مزاج کی صورت میں سامنے آیا ہے۔ بجائے اس کے کہ دینی نظام علمی میدان میں متبادل فکر پیدا کرے، اس نے بعض صورتوں میں جدید فکر سے مکمل انکار اور خود احتسابی سے اجتناب کا رویہ اختیار کیا۔[28] نتیجتاً نہ ایک متوازن علمی تحریک پیدا ہو سکی اور نہ مغرب سے گفتگو کی کوئی قابلِ اعتبار بنیاد قائم ہو سکی۔ فکری تسلط اور علمی مرعوبیت نے مسلم نظام تعلیم کو خود اعتمادی، اجتہاد اور تہذیبی خودی سے محروم کر دیا ہے۔

قومی شناخت اور نظریاتی یکجہتی کا بحران

پاکستان ایک نظریاتی ریاست ہے، جس کی بنیاد دو قومی نظریے اور اسلامی شناخت پر رکھی گئی۔ اس پس منظر میں تعلیم کو نظریاتی وحدت، تہذیبی تسلسل اور قومی خودی کی بنیاد بننا چاہیے تھا، لیکن بدقسمتی سے دینی اور عصری نظام تعلیم میں فکری و نظریاتی تضاد نے قومی شناخت کے بحران کو جنم دیا ہے۔ یہ بحران صرف شناختی کارڈ یا زبان کی حد تک نہیں، بلکہ یہ فکری، ثقافتی اور تہذیبی سطح پر بکھراؤ کی شکل اختیار کر چکا ہے۔

الف: دوہرا نصاب، دوہری ذہن سازی

پاکستان میں تعلیمی نظام کی تقسیم یعنی دینی و عصری، نے طلبہ کی دو الگ شناختیں قائم کر دی ہیں۔ ایک طرف مدارس کا طالب علم ہے جو روایتی دینی تعلیم، عربی زبان اور شرعی علوم سے وابستہ ہے، جبکہ دوسری طرف اسکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں کا طالب علم ہے جو انگریزی میڈیم، مغربی فکر اور سائنسی علوم کا نمائندہ ہے۔[29] یہ دوہرا نصاب قومی یکجہتی کو کمزور کرتا ہے اور مختلف طبقات کو ایک دوسرے سے فکری و تہذیبی طور پر دور لے جاتا ہے۔

ب: نظریہ پاکستان کا فقدان

عصری تعلیمی اداروں کے نصاب میں نظریہ پاکستان، تحریکِ پاکستان، اور اسلامی اقدار کو یا تو معمولی طور پر پڑھایا جاتا ہے یا

اسے غیر جانبدار انداز میں پیش کیا جاتا ہے۔[30] اس کے نتیجے میں نئی نسل میں یہ شعور پیدا نہیں ہو رہا کہ پاکستان کا قیام کسی زمینی یا لسانی بنیاد پر نہیں بلکہ ایک نظریاتی اساس پر ہوا تھا کہ ایک ایسا خطہ جہاں اسلامی نظامِ حیات کو نافذ کیا جا سکے۔

ج: دینی مدارس کی جزوی قومی شمولیت

اگرچہ مدارس اپنے طور پر اسلامی اقدار کے تحفظ اور امت کی نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے کوشاں ہیں، لیکن ان میں عمومی طور پر جدید قومی تقاضوں، ریاستی ڈھانچے اور معاصر عالمی مباحث کی شمولیت محدود ہے۔[31] یوں وہ قومی وحدت کے ایک پہلو کو تو مضبوط کرتے ہیں، مگر دوسرے پہلو سے فاصلے پر چلے جاتے ہیں۔

د: تعلیمی اداروں میں تہذیبی شناخت کی کمزوری

تعلیمی ادارے کسی بھی قوم کی تہذیبی روح کے عکاس ہوتے ہیں، لیکن پاکستان کے بیشتر عصری ادارے مغربی ثقافت، مغربی ماڈلز اور غیر اسلامی طرزِ زندگی کو اپنانے میں فخر محسوس کرتے ہیں۔[32] لباس، زبان، تقریبات اور سوشل سرگرمیوں میں مغربی اثر نمایاں ہے، جبکہ اسلامی شناخت کو دقیانوسی یا غیر اہم سمجھا جاتا ہے۔

خلاصہ بحث

موجودہ دینی و عصری نظام تعلیم کا تقابلی مطالعہ واضح کرتا ہے کہ ان دونوں نظاموں کی فکری اساسات، نظریاتی ترجیحات، اور تربیتی اہداف میں گہرا اختلاف پایا جاتا ہے۔ ایک طرف دینی نظام تعلیم ہے، جو وحی، سنت اور اسلامی روایات پر مبنی ہے، تو دوسری طرف عصری نظام تعلیم ہے، جو مغربی فلسفہ، سیکولر تصورِ علم اور صنعتی ترقی کے نظریات سے متاثر ہے۔ یہی بنیادی فکری تفریق دونوں نظاموں کے درمیان ایک مستقل تصادم کو جنم دیتی ہے۔ دینی نظام میں علم کو عبادت، اخلاق، تزکیہ نفس اور رضا الٰہی کے لیے حاصل کیا جاتا ہے، جبکہ عصری نظام میں علم کو مادی ترقی، نوکری اور سائنسی برتری کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس کے نتیجے میں تعلیم کے مقاصد، اداروں کا ماحول، اور طلبہ کی شخصیت سازی، دو مختلف بلکہ متصادم سمتوں میں پروان چڑھتے ہیں۔ یہ بھی مشاہدے میں آیا کہ دینی نظام تعلیم ماضی کی علمی روایت سے جڑا ہوا ہے لیکن معاصر دنیا کے چیلنجز، معاشی تقاضوں اور ٹیکنالوجی کی رفتار سے کٹتا جا رہا ہے۔ اس کے برعکس، عصری نظام ترقی یافتہ دنیا سے ہم آہنگ ہونے کی کوشش کرتا ہے، لیکن اپنی تہذیبی بنیادوں، ایمانی وابستگی اور اسلامی شناخت کو کمزور کر بیٹھا ہے۔ مزید برآں، فکری تسلط، علمی مرعوبیت اور اداراتی ماحول کا تضاد ان دونوں نظاموں کے درمیان نظریاتی و فکری کشمکش کو مزید گہرا کر دیتا ہے۔ نئی نسل اس تقسیم کے نتیجے میں یا تو روحانیت سے دور ہو جاتی ہے یا دنیاوی مہارتوں سے نا آشنا رہتی ہے۔ قومی سطح پر یہ کشمکش ایک سنگین بحران کی صورت اختیار کر چکی ہے، جہاں ایک طبقہ سیکولر آئیڈیالوجی کا پرچار کرتا ہے اور دوسرا طبقہ ردعمل میں انتہا پسندی کی طرف مائل ہو جاتا ہے۔ نتیجتاً معاشرے میں فکری انتشار، تہذیبی بکھراؤ اور قومی وحدت کا بحران پیدا ہو چکا ہے۔ اس صورت حال کے حل کے لیے ایک ایسا متوازن اور مربوط نظام تعلیم ناگزیر ہے جو اسلامی تصورِ علم، اخلاقی و روحانی اقدار اور عصری تقاضوں کو یکجا کرے۔ ایسے نظام ہی کے ذریعے ایک ایسی نسل تیار کی جا سکتی ہے جو دنیا و آخرت دونوں کے تقاضوں کو سمجھنے والی، مہذب، باوقار، اور نظریاتی طور پر بااعتماد ہو۔

نتائج تحقیق

- تحقیق سے معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم فقط معلومات اور فنی مہارتوں کی منتقلی کا نام نہیں بلکہ فرد اور معاشرے کی فکر، نظریہ،

اخلاقیات اور تہذیبی تشکیل کا بنیادی ذریعہ ہے۔ پس کسی بھی تعلیمی نظام کی حقیقی پہچان اس کی نظریاتی بنیاد، تصورِ علم، تصورِ انسان اور مقاصدِ تعلیم سے واضح ہوتی ہے۔

- دینی نظامِ تعلیم کی بنیادی فکری اساس قرآن وحدیث، توحید، اخلاق، آخرت کے تصور اور علم و عمل کے باہمی ربط پر قائم ہے، جبکہ جدید عصری نظامِ تعلیم کی تشکیل میں عقلی، سائنسی، مادی اور جدید مغربی علمی تصورات کا نمایاں اثر پایا جاتا ہے۔ دونوں نظاموں کے مابین بنیادی نظریاتی فرق ہی بعد ازاں فکری اختلاف اور تصادم کی اہم بنیاد بنتا ہے۔
- دینی اور عصری نظامِ تعلیم کے موجودہ باہمی فاصلے کی تشکیل محض نصابی اختلاف کا نتیجہ نہیں بلکہ اس کے پیچھے تاریخی، سیاسی، تہذیبی اور تعلیمی عوامل بھی کارفرما رہے ہیں۔ خصوصاً نوآبادیاتی دور میں پیدا ہونے والی تعلیمی تقسیم نے مسلم معاشرے میں دینی اور عصری تعلیم کے دو نسبتاً الگ دھارے تشکیل دینے میں اہم کردار ادا کیا۔
- دینی وعصری تعلیمی تقسیم نے معاشرے میں فکری یکسانیت کے بجائے دوہری فکری ساخت پیدا کی، جس کے نتیجے میں ایک طبقہ دینی وروایتی علمی منہج سے وابستہ رہا جبکہ دوسرا جدید علمی و فکری تصورات سے زیادہ متاثر ہوا۔ اس صورتِ حال نے بعض افراد میں فکری دوگانگی، ذہنی تقسیم اور نظریاتی شناخت کے بحران کو تقویت دی۔
- نصابِ تعلیم میں فکری ترجیحات کا فرق دینی وعصری نظاموں کے درمیان فاصلے کا ایک اہم سبب ہے۔ دونوں نظاموں میں علم کے انتخاب، ترجیحات، مقاصد اور انسان کی مطلوبہ فکری و اخلاقی تشکیل کے حوالے سے نمایاں اختلاف پایا جاتا ہے، جس کے نتیجے میں طلبہ کی فکری تربیت مختلف سمتوں میں ہوتی ہے۔
- نصاب کی تالیف میں تہذیبی اور فکری وابستگی کا فقدان تعلیمی نظام کو اپنی تہذیبی شناخت سے دور کرنے کا باعث بن سکتا ہے۔ اس لیے جدید علوم کی تدریس کے ساتھ مقامی، قومی، دینی اور تہذیبی اقدار کو نظرانداز کرنا ایک متوازن تعلیمی شخصیت کی تشکیل میں رکاوٹ پیدا کرتا ہے۔
- تعلیمی اداروں کا ماحول اور تربیتی نظام طلبہ کی فکری تشکیل میں نصاب جتنا ہی اہم کردار ادا کرتا ہے۔ اگر ادارہ جاتی ماحول میں فکری و اخلاقی تربیت کو مناسب اہمیت حاصل نہ ہو تو محض نصابی مواد کے ذریعے نظریاتی اور تہذیبی شناخت کا تحفظ ممکن نہیں رہتا۔

References

1 al-Qur’ān, 96:1.

2 al-Tirmidhī, Muḥammad ibn ʿĪsā ibn Sawrah, *Sunan al-Tirmidhī* (Beirut: Dār al-Gharb al-Islāmī, 1998), Abwāb al-ʿIlm, Ḥadīth no. 2647.

3 al-Qur’ān, 2:25.

4 Muslim, Muslim ibn al-Ḥajjāj al-Qushayrī, *Ṣaḥīḥ Muslim* (Riyadh: Dār al-Salām, 2000), Kitāb al-Dhikr, Ḥadīth no. 2722.

5 al-Qur’ān, 62:2.

6 al-Ghazālī, Abū Ḥāmid Muḥammad ibn Muḥammad al-Ghazālī, *Iḥyāʾ ʿUlūm al-Dīn* (Beirut: Dār al-Kutub al-ʿIlmiyyah, 1995), 1:54.

7 al-Qur’ān, 2:30.

8 Nasr, Seyyed Hossein, *Knowledge and the Sacred* (Albany, NY: State University of New York Press, 1989), p. 3.

9 Macaulay, Thomas Babington, *Minute on Indian Education*, 1835.

10 Muḥammad Amīn, Dr., *Hamārā Taʿlīmī Buḥrān aur Is kā Ḥall: Chand Naẓariyātī Mabāḥith* (Lahore: Dāʾirah Maʿārif Islāmiyyah, Punjab University), p. 28.

11 Farhād Allāh, "Muʿāṣir Muslim Taʿlīmī Ḥālat aur Mustaqbil ke Challenges: Pakistan ke Tanāẓur mein," *Rāḥat al-Qulūb*, July–December 2018, 2:2.

12 Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad, *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm* (Karachi: Dār al-ʿIlm wa al-Taḥqīq, compiled by Sayyid ʿAzīz al-Raḥmān), p. 109.

13 Muḥammad Ḥanīf Jālandharī, *Madāris kā Niẓām-i Taʿlīm-o Tarbiyat* (Multan: Shuʿbah Nashr-o Ishāʿat, Wifāq al-Madāris, 2010), p. 58.

14 Farhād Allāh, "Muʿāṣir Muslim Taʿlīmī Ḥālat aur Mustaqbil ke Challenges: Pakistan ke Tanāẓur mein," p. 175.

15 Husain, Syed Sajjad, *Crisis in Muslim Education*, p. 50.

16 al-ʿAlwānī, Ṭāhā Jābir, *al-Azmah al-Fikriyyah al-Muʿāṣirah: Tashkhīṣ wa Muqtaraḥāt* (Cairo: Dār al-Salām, 2004), p. 58.

17 Ṭals, Muḥammad Asʿad, *Kitāb al-Tarbiyah wa al-Taʿlīm fī al-Islām* (Cairo: Dār al-Kutub al-Miṣriyyah, 2021), p. 107.

18 Khālid ʿAlawī, Dr., "Taʿlīm aur Jadīd Tahdhībī Challenge," *Fikr-o Naẓar*, Islamabad, 41:4.

19 Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad, *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*, p. 132.

20 Ashraf, Syed Ali, *Crisis in Muslim Education* (Jeddah: King Abdulaziz University, 1979), p. 45.

21 Khālid ʿAlawī, "Taʿlīm aur Jadīd Tahdhībī Challenge," p. 84.

22 Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad, *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*, p. 7.

23 Ṭals, Muḥammad Asʿad, *Kitāb al-Tarbiyah wa al-Taʿlīm fī al-Islām*, p. 65.

24 al-Aṭṭās, Syed Muhammad Naquib, *Islam and Secularism* (Kuala Lumpur: International Institute of Islamic Thought and Civilization [ISTAC], 1993), p. 87.

25 Faḍl al-Raḥmān, *Islām aur Jadīdīyat*, translated by Muḥammad Kāẓim (Lahore: Mishal), p. 93.

26 Macaulay, Thomas Babington, *Lord Macaulay's Minute on Indian Education* (1835), available online. https://www.mssu.edu/projectsouthasia

27 Nasr, Seyyed Hossein, *Islamic Science: An Illustrated Study* (Bloomington, IN: World Wisdom, 2001), p. 23.

28 Ghāzī, Maḥmūd Aḥmad, *Muḥāḍarāt-i Taʿlīm*, p. 129.

29 Muḥammad Salīm, *Tārīkh-i Naẓariyyah-i Pākistān*, p. 57.

30 ʿUthmānī, Muḥammad Taqī, *Hamārā Taʿlīmī Niẓām*, p. 36.

31 Khālid ʿAlawī, "*Taʿlīm aur Jadīd Tahdhībī Challenge,*" p. 74.

32 al-Aṭṭās, Syed Muhammad Naquib, *Islam and Secularism*, p. 103.